© rasailojaraid.com

......بابائے تبلیغ......

مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری حفظہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی
ایڈیٹر صدائے ہوش لاہور

بابائے تبلیغ مولانا عبداللہ گورداسپوری حفظہ اللہ برصغیر پاک و ہند کے نامور اہلحدیث عالم دین ہیں۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں اپنی خطیبانہ صلاحیتوں ، بلند آہنگ خطابت اور حکیمانہ اسلوب وعظ سے لوگوں کو توحید و سنت کا عامل بنایا اور انہیں صراط مستقیم دکھا کر نیک نام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا عبداللہ صاحب کو علم و عمل کا حظ وافر عطا کیا ہے اور بے پناہ اوصاف و کمالات سے نوازا ہے۔ آپ جماعت اہلحدیث کیلئے عظیم سرمایہ ہیں۔ گذشتہ صدی کی جماعتی تاریخ انہیں نہ صرف یہ کہ ازبر ہے بلکہ بہت سے واقعات کے آپ عینی شاہد ہیں۔ جب زبان کو حرکت دیتے ہیں تو اکابر کے واقعات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام فاتح قادیان حضرت مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور ان سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں، یہیں پر بس نہیں بلکہ ان سے متعلق نادر معلومات اور واقعات بھی فراہم کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہمارے یہ بزرگ معلومات کا بحر ذخار اور ہماری جماعتی تاریخ کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ بڑے ہی شگفتہ مزاج، لطیفہ گو، مرنجا مرنج اور باغ و بہار طبعیت کے انسان ہیں۔ عبوست و یبوست سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ ان کی بذلہ سنجی اور خوش طبعی کے قصے زبان زد عام ہیں۔

نہایت بااخلاق ، بلند کردار، نیک طینت، شریف النفس، خوش گفتار، مہمان نواز اور منکسر المزاج عالم دین ہیں۔ میرے وہ بہت ہی پیارے اور محترم بزرگ دوست ہیں۔ ان سے عقیدت و محبت کا ناطہ گذشتہ سولہ سال سے قائم ہیں۔ میں نے پہلی بار انہیں 1988 کے ماہ اکتوبر کے شروع میں دیکھا تھا۔ وہ مولانا بشیر احمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے سلسلے میں منعقدہ کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ یہ تعزیتی جلسہ سمن آباد فیصل آباد کے بلال پارک (کوئلے والی گراؤنڈ) کے مشرقی کونے پر مولانا بشیر صدیقی کے گھر کے قریب ہوا تھا۔ میں سٹیج کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ مولانا عبداللہ صاحب مائیک پر آئے۔ میانہ قد، متناسب جسم، سفید داڑھی، خوبصورت نقش، روشن پیشانی، سر پر کلے کے اوپر سفید طرے دار پگڑی، سفید شلوار اور قمیص زیب تن پاؤں میں کھسّہ، انہوں نے اپنی کڑک دار آواز میں السلام علیکم کہا میرے برابر میں میرے ماموں کا پڑوسی بیٹھا تھا۔ وہ سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا بابا بور ارونق لاؤ گا۔ اب باباجی کا وعظ شروع ہوا۔ خطبہ مسنونہ پڑھ کر انہوں نے علم اور عالم دین کی عظمت بیان کرتے ہوئے مولانا بشیر احمد صدیقی مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کی دینی خدمات کو سراہا۔ پھر گویا ہوئے کہ لوگو اپنے بچوں کو دین پڑھاؤ اس میں تمہاری نجات ہے۔ اثنائے گفتگو انہوں نے اپنی دینی تعلیم کے متعلق بتایا کہ وہ نویں کلاس میں پڑھتے تھے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر سے متاثر ہو کر دینی تعلیم کی طرف آئے اور آج اللہ نے انہیں یہ مقام دیا ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب کا یہ وعظ کوئی گھنٹہ بھر جاری رہا، لوگ ازحد متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی دوران تقریر اپنی شرینی گفتار سے سامعین کو خوب محظوظ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کا وعظ سنا اور ان سے متاثر ہوا۔ مجھے شروع دن سے ہی تاریخ سے دلچسپی رہی ہے اور مولانا عبداللہ صاحب کی تقریروں میں میرے ذوق کا بہت سا مواد موجود تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ذوق کی تسکین کیلئے ان کی بہت سی تقریریں جلسوں میں سنیں۔ اب تلک ان سے عقیدت کا سلسلہ یک طرفہ تھا۔ 3 مارچ 1999 کو جماعت کے عظیم مصنف اور شاعر مولانا عبدالرحمٰن عاجز فوت ہوئے۔ وہ میرے بڑے گہرے بزرگ دوست تھے۔ ان کی وفات پر میں نے ان پر ایک طویل مضمون لکھا جو الاعتصام کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا۔ مولانا عبداللہ صاحب نے وہ مضمون پڑھا اور متاثر ہوئے۔ 6 اگست 1999 کو وہ مرکزی جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد میں سالانہ سیرت النبی کے پروگرام میں تشریف لائے۔ یہ کانفرنس ہر سال منعقد ہوتی ہے۔ اور اس کا انتظام ہمارے دوست حافظ حبیب الرحمٰن صاحب کرتے ہیں۔ میں ان دنوں دارارقم میں ملازم تھا۔ مولانا صاحب تقریر سے فارغ ہو کر رات ایک بجے کے قریب دکان میں تشریف لائے۔ احباب سے گفتگو کرتے رہے۔ مجھے پوچھنے لگے ''کاکا تیرا نا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے‘‘ میں نے بتایا محمد رمضان یوسف سلفی، کہنے لگے ایک بار پھر بتاؤ؟ میں نے دوبارہ اپنا نام بتایا۔ اب فرمانے لگے مولانا عبدالرحمٰن عاجز پر الاعتصام میں تم نے لکھا تھا؟ میں نے ادب سے عرض کیا، جی میں نے لکھا تھا۔ یہ سن کر بڑا خوش ہوئے اور کہنے لگے بہت خوب۔۔۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور تھپکی دی، اچھے الفاظ میں میری حوصلہ افزائی فرمائی پھر کہنے لگے کہ مولانا عاجز مرحوم پر میں بھی کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن تمہارا مضمون اتنا اچھا تھا کہ میں نے نہ لکھنے کا فیصلہ کیا کہ میں اس سے اچھا نہیں لکھ سکوں گا۔

یہ ان کی شفقت اور محبت تھی کہ انہوں نے ان الفاظ سے میری ہمت افزائی کی۔ اس کے بعد تو ان سے میرے نہایت گہرے مراسم قائم ہو گئے۔ وہ فیصل آباد آئیں تو ٹیلیفون بھی کرتے ہیں اور مکتبہ پر تشریف لا کر خدمت کا موقع بھی دیتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی تبلیغی پروگرام میں ساتھ بھی لے جاتے ہیں۔ 2001ء کے نومبر میں کلیہ دارالقرآن والحدیث جناح کالونی فیصل آباد میں تقریب بخاری کا پروگرام تھا میں بھی وہاں گیا۔ مولانا عبداللہ صاحب دوران تقریر تاریخی واقعات سنا رہے تھے۔ کہنے لگے ’’رمضان سلفی یہاں ہے؟ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی موجودگی کا بتایا۔ فرمانے لگے سلفی اسٹیج پر آ کر بیٹھو یہ سلفیوں کا اسٹیج ہے۔ یہ ہے ان کی چھوٹوں پر شفقت۔ جامعہ سلفیہ میں سالانہ تقریب بخاری کے موقع پر بھی بابا جی سے ملاقاتیں رہی ہیں۔ میں دوبار ان کے ہاں بورے والا گیا ہوں ایک بار 14 اگست 2002ء کو ان کے بیٹے حافظ محمد لقمان سلفی مرحوم کی تعزیت کیلئے اور دوسری بار 28 اپریل 2003 کو دونوں بار اس قدر محبت اور خلوص سے پیش آئے اور اتنی مہمان نوازی کی کہ اسلاف کی یاد آنے لگی۔ بلاشبہ مولانا عبداللہ صاحب اسلاف کی یادگار ہیں۔ اب آیئے ان کے حالات وواقعات اور جماعتی خدمات کی طرف یہ وہ معلومات ہیں جو ہمیں یا تو بالمشافہ مولاناؒ سے گفتگو کر کے حاصل ہوئی ہے اور کچھ باتیں ہم نے اپنے مرشد عالی قدر مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی بزم ارجمنداں سے مستعار لی ہیں۔ مولانا عبداللہ صاحب 1916 میں ضلع گورداس پوری (مشرقی) پنجاب کے ایک مقام ’’وڑائچ‘‘ میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی حکیم امام الدین تھا علمائے کرام اور واعظین عظام کی عزت وتوقیر میں اس نواح میں وہ خاص شہرت رکھتے تھے۔ نیک اور صالح بزرگ تھے۔ ان کا یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو انہوں نے اسے سرکاری سکول میں داخل کرا دیا۔ جہاں بچے نے مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔

بعد ازاں خالصہ ہائی اسکول بھاگووال میں داخل کرا دیا گیا۔ مولانا عبداللہ صاحب نویں جماعت کے طالب علم تھے کہ ان کے علاقے میں ایک بہت بڑا تبلیغی جلسہ ہوا۔ وہ اس میں شریک ہوئے اور انہوں نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریریں سنیں۔ انہوں نے اس قدر تاثر لیا کہ سکول کی تعلیم چھوڑ کر دینی تعلیم کی طرف راغب ہو گئے۔ انہیں بٹالہ میں قائم مدرسہ دارالسلام میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ مدرسہ وہاں کی انجمن خادم المسلمین کے زیر انتظام تھا اور اسمیں حضرت مولانا عطاء اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس علاقے کے جید عالم دین تھے فریضہ تدریس ادا کرتے تھے۔ ان نیک اور متقی عالم دین کو اگست 1947 میں سکھوں نے شہید کر دیا تھا۔ یہ بزرگ عالم دین تفسیر، حدیث، منطق، صرف، نحو اور دیگر اسلامی علوم میں کامل درک رکھتے تھے۔ ان سے کئی طلباء نے اکتساب علم کیا اور پھر وہ نامور ہونے کے ساتھ نیک نام بھی ہوئے۔ مولانا عطاء اللہ شہیدؒ کے شاگردوں میں مولانا عبدالعزیز سعیدی، مولانا اسماعیل ذبیح، مولانا عبدالعظیم انصاری، حافظ عبدالحق صدیقی، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف جیسے علماء کے نام ملتے ہیں۔

ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبداللہ صاحب بھی اسی یگانہ روزگار عالم دین کے نہایت لائق اور چہیتے شاگرد رشید ہیں۔ انہوں نے درس نظامی کی مکمل تعلیم مولانا عطاء اللہ شید سے حاصل کی۔ ذہین طباع طالب علم تھے۔ ذہن رسا پایا تھا جو پڑھتے از بر ہو جاتا۔ نیک طینت استاد کو اپنے شاگرد پر ناز تھا اور وہ اسے اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شہید کے صاحبزادے حافظ محمد سلیمان صاحب میرے نہایت پیارے بزرگ دوست ہیں۔ وہ میرے قریبی محلہ سمن آباد میں ہی اقامت پذیر ہیں ان سے میری اکثر ملاقات رہتی ہے۔ وہ تصنیف و تالیف کا بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں عرصہ دراز تک محکمہ تعلیم میں آفیسر رہے ہیں۔ اب عالم پیری میں ہیں۔ انہوں نے تین کتابیں ’’درود وسلام‘‘ توحید پر ایمان شرک سے بیزاری، اور سیرت النبیؐ پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ مولانا عبداللہ صاحب میرے والد مولانا عطاء اللہ صاحب کے لاڈلے شاگرد تھے۔ اور انہیں ہمارے گھر کا فرد ہی سمجھا جاتا تھا۔ مدرسہ میں دوسرے طلبا سے ان کو ذہانت و فطانت اور علمی استعداد کے باعث امتیازی حیثیت حاصل تھی اور یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی ہنس مکھ طبیعت سے رونق لگائے رکھتے تھے۔

مولانا عبداللہ صاحب درس نظامی کی تکمیل کے بعد مزید دینی تعلیم کیلئے امرتسر میں مدرسہ غزنویہ میں گئے اور وہاں لائق اساتذہ کرام سے بعض درسی کتب پڑھیں پھر جامعہ رحمانیہ دہلی کا رخ کیا اور وہاں کچھ عرصہ قیام فرمارہے۔ دینی تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند بھی گئے۔ آخر میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ اور ان کے دورہ تفسیر میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اس اعتبار سے انہوں نے مختلف مدارس اور جید اساتذہ کرام سے علیحدہ علیحدہ علوم وفنون کی تعلیم وتربیت حاصل کر کے اپنے اندر علمی رسوخ پیدا کیا۔

تحصیل علم کے بعد وہ دعوت وتبلیغ کے میدان میں جت گئے اور جو علم انہوں نے حاصل کیا تھا اسے لوگوں تک پہنچانا اپنے اوپر فرض عین کرلیا۔ 1937 میں انہوں نے ولن ملی دھاریوال سے اپنی خطابت کا آغاز کیا اور 1947 تک دس سال آپ ولن مل دھاریوال کی مسجد کے خطیب رہے۔

14 اگست 2002ء کو میں بورے والا مولانا عبداللہ صاحب کی خدمت میں ان کے صاحبزادے حافظ لقمان سلفی مرحوم کی تعزیت کیلئے حاضر ہوا۔ نماز ظہر پڑھ کر ان کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ خیروعافیت کے تبادلے کے بعد وہ پرانے واقعات سنانے لگے۔ ان کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ انہیں سینکڑوں واقعات من وعن یاد ہیں اور 60، 70 سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود وہ واقعات ان کے ذہن پر نقش ہیں۔

بابا جی اپنے استاد گرامی مولانا عطاء اللہ مرحوم کا تذکرہ کرتے ہوئے بتانے لگے کہ ایک بار استاد محترم ولن مل دھاریوال تشریف لائے، جمعہ کا دن تھا میں نے ان کی خدمت میں گزارش کی کہ وہ ازراہ کرم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمائیں۔ چنانچہ استاد جی نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ انہوں نے اٹھارہویں پارے کا ابتدائی رکوع پڑھا جس کی ابتداء قد افلح المومنون سے ہوتی ہے۔ ان آیات کی تفسیر انہوں نے بڑے عام فہم انداز میں بیان کی جسے سن کو لوگ ازحد متاثر ہوئے۔ وہ سردیوں کے دن تھے اور استاد جی نے کھیس اوڑھ رکھا تھا، ان کی سادگی اور شخصیت میں بڑا رعب تھا۔

مولانا عبداللہ صاحب 1937 سے 1947 تک ولن مل دھاریوال کی مسجد میں فریضہ خطابت ادا کرتے رہے۔ اگست 1947 میں مشرقی پنجاب کے سکھوں نے مسلمانوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا تو وہ اپنے خاندان کے ہمراہ براستہ ڈیرہ بابا نانک پاکستان میں داخل ہوئے۔ مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے رائے ونڈ آئے یہاں ان کے برادر نسبتی قیام پذیر تھے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، بزم ارجمنداں میں لکھتے ہیں کہ مولانا کا قافلہ پچاس ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ایک بہت بڑی حویلی ان کے برادر نسبتی کے قبضے میں تھی۔ مولانا عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے اسی حویلی میں پڑاؤ کیا۔ اس وقت عیدالاضحیٰ میں چار دن باقی تھے۔ مولانا نے چالیس روپے میں قربانی کیلئے گائے خریدی۔ رائے ونڈ میں اس وقت ایک ہی مسجد تھی۔ جس کی رجسٹری حاجی محمد عاشق کے نام تھی اور وہ اہلحدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عید کی نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ حاجی محمد عاشق کو کسی نے کہہ دیا کہ یہ عالم دین ہیں۔ حاجی صاحب ان کے پاس آئے اور عید پڑھانے اور خطبہ ارشاد فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے نماز عید پڑھائی اور خطبہ دیا۔ خطبہ کا موضوع حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہجرت اور ان کا جذبہ قربانی تھا۔ سامعین میں اکثریت مشرقی پنجاب سے آنے والے لوگوں کی تھی اور ترک وطن کے زخم ابھی تازہ تھے۔ تقریر کے الفاظ وانداز کی اثر پذیری سے ہر آنکھ پرنم تھی اور ہر دل تڑپ رہا تھا۔ نماز عید کے بعد مولانا اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور گائے کی قربانی میں مصروف ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حاجی محمد عاشق ریڑھی لئے کھڑے ہیں۔ جس پر ایک بوری آٹے کی اور ایک بوری چاول کی ہے۔ کہا یہ حقیر سی خدمت قبول فرمائیے۔ ساتھ ہی پانچ سو روپے نقد عنایت کئے۔ یہ بہت بڑی مدد تھی جو اس وقت انہوں نے فرمائی اور لٹے پٹے قافلے کو سہارا دیا۔ (بزم ارجمنداں، از مولانا محمد اسحاق بھٹی: ۶۰۸)

مولانا عبداللہ صاحب کچھ عرصہ رائے ونڈ میں قیام پذیر رہے کچھ عرصہ جامع فریدیہ اہلحدیث قصور میں خطابت کی اور 1949 میں جماعت اہلحدیث بورے والہ کے اصرار پر بورے والا تشریف لےائے۔ انہوں نے بورے والا کی جامع مسجد اہلحدیث میں جو پہلا خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اس میں سورہ عصر کی تفسیر بیان کی جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔ ان دنوں یہ مسجد بہت چھوٹی تھی، مولانا کی کوششوں سے اب بہت وسیع ہوگئی ہے۔ اور اسے ازسرنو تعمیر کیا گیا ہے۔ مولانا عبداللہ صاحب بلند آہنگ خطیب ہیں ان کے وعظ کی اثر آفرینی سے ہزاروں لوگ راہ راست پر آچکے ہیں۔ وہ سادے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انداز میں بڑی پیاری گفتگو کرتے ہیں اور علم و حکمت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ اس عالم پیری میں بھی ان کی خطابت کی بڑی دھوم ہے اور لوگ ان کے وعظ کو سننے کیلئے دیوانہ وار چلے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کے ساتھ بابا جی کو خطابت کے جوہر سے بھی خوب نوازا ہے۔ آپ گذشتہ پچپن سال سے اپنی مسجد کے امام اور خطیب ہیں۔ صبح نماز فجر کے بعد انہوں نے ابن کثیر سامنے رکھ کر چار بار قرآن ختم کیا۔ صبح کے درس کیلئے باقاعدہ تیاری کر کے آتے تھے اور اس سلسلے میں بڑی بڑی تفاسیر، فتح القدیر، تفسیر کبیر، خازن وغیرہ ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ اب پیرانہ سال کے باعث نماز عصر کے بعد درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں۔ گفتگو کا سلیقہ اور ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔ علمی نکات بیان کر کے داد تحسین وصول کرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ خطابت کے اونچے مقام پر فائض ہیں۔ تحریر و نگارش سے بھی بابا جی کو خاص شغف ہے۔ انہوں نے کوئی کتاب تو مرتب نہیں کی البتہ ان کے مضامین جو بالعموم علماء کے حالات زندگی پر ہوتے ہیں جماعتی رسائل میں اشاعت [illegible]ر ہمارے مطالعہ میں آتے رہتے ہیں۔ وہ خوبصورت پیرائے میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم سے ان کو والہانہ عقیدت ہے اور آپ اکثر ان کے واقعات بیان کرتے ہیں اس کے علاوہ انہیں غزنوی علماء، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا سید داؤد غزنویؒ، مولانا احمد دین گھکھڑوی، مولانا حافظ [illegible]ن، مولانا اسماعیل روپڑی، حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا علی محمد صمصام، اور لکھوی علماء کے بے شمار واقعات یاد ہیں۔ بابا جی نے برصغیر کی

سیاست میں تو زیادہ حصہ نہیں لیا البتہ مذہبی تحریکوں میں سرگرم عمل رہے ہیں۔ فتنہ مرزائیت کے رد میں انہوں نے قیام پاکستان سے پہلے بھی خوب کام کیا اور قیام پاکستان کے بعد بھی وہ پیش پیش رہے۔ اس راہ میں انہیں مصائب و آلام سے بھی دوچار ہونا پڑا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ وہ ہر موقع پر ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔ مولانا عبداللہ صاحب پہلی بار **1939** میں جیل گئے تھے انہوں نے بٹالہ سے چھ میل دور گاؤں دیال گڑھ کے قریبی گاؤں ''ہرسیاں'' میں مرزائیوں کے خلاف تقریر کی تھی اس پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ایک ہفتے بعد ان کی ضمانت ہوئی۔ **1953** کی تحریک میں بھی بابا جی سرگرم رہے اور انہیں ایک ماہ کراچی جیل میں گزارنا پڑا۔ **1955** میں خانیوال میں تقریر کی اور جیل بھیج دیئے گئے۔ ایک ماہ دس دن کے بعد ان کی ضمانت ہوئی۔ **1974** کی تحریک میں بھی بابا جی نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اور بورے والہ کی مذہبی قیادت میں ان کا کام نمایاں تھا۔ **1977** کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں بھی مولانا عبداللہ صاحبؒ کی خدمات قابل قدر ہیں۔ مولانا عبداللہ صاحب کے ساتھ چلتے چلتے ہم بہت دور نکلے آئے ہیں اب چند باتیں اور سن لیجئے۔ **1955** میں مولانا نے خانیوال میں تقریر کی اور جیل میں قید کر دیئے گئے۔ جیل کا داروغہ بڑا اکھڑ مزاج اور تند خو تھا۔ مولانا پان چبانے کے عادی ہیں لیکن جیل میں پان کہاں سے آئے۔ اس اثناء میں جمعہ کا دن آ گیا۔ تھانیدار مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ آج جیل میں قیدیوں کو نماز جمعہ پڑھائیں۔ مولانا کہنے لگے میری یہ حالت کیا جمعہ پڑھانے والی ہے؟ تھانیدار

کہنے لگا میں ابھی انتظام کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں دھلا ہوا کپڑوں کا جوڑا، پگڑی، صابن، تیل، تولیہ اور **2** عدد پان مولانا کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔ مولانا عبداللہ صاحب نہا دھو کر تیار ہوئے اور انہوں نے جیل میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ مولانا بیان کرتے ہیں کہ سورہ یوسف کی تفسیر اس سے پہلے بھی کئی بار بیان کی تھی لیکن جو لطف اس روز جیل میں بیان کرنے کا آیا وہ عجب سماں تھا۔ برادران یوسف کی بے حسی اور سیدنا یوسف علیہ السلام کے صبر و استقلال کا سن کر ہر قیدی دیدہ نم تھا۔ مولانا عبداللہ صاحب بڑے وضع دار اور پروقار عالم دین ہیں۔ ہمیشہ اپنے وقار و عزت کا خیال رکھتے ہیں۔ ایک بار انہوں نے قصور میں جامع فریدیہ اہلحدیث میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ رات بھی ان کا قیام وہیں تھا۔ ملکہ ترنم نور جہاں کا آبائی گھر بھی قصور میں ہے۔ وہ ان دنوں قصور میں ہی تھیں انہوں نے مولانا کی خدمت میں اپنا ملازم بھیجا اور درخواست کی کہ صبح بابا جی ناشتہ میرے گھر کریں۔ مولانا عبداللہ صاحب نے انکار کر دیا۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ بابا جی حرج ہی کیا ہے؟ مولانا عبداللہ صاحب فرمانے لگے ''کملیو''، صبح نماز فجر کے بعد جب ہم ناشتہ کر کے ملکہ کے گھر سے نکلیں گے تو لوگ کیا سمجھیں گے لہٰذا میں نہیں جاؤں گا اور مولانا عبداللہ ملکہ کے لاکھ اصرار پر ان کے ہاں نہیں گئے۔

مولانا عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک بار منڈی بہاؤالدین سے خط آیا کہ فلاں تاریخ کو آپ آ کر تقریر کریں میں وہاں پہنچ گیا تقریر کی اور چلا آیا۔ انہوں نے واپسی پر پوچھا تک نہیں تھوڑے دن گزرے پھر ان کا خط آیا کہ فلاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ کو تشریف لائیں اور تقریر کریں۔ باباجی کہتے ہیں کہ خط پڑھ کر میں نے خود سے کہا مولوی یہ تیری آزمائش ہے کہیں پھسل نہ جانا۔ وہ آزمانا چاہتے ہیں کہ کیا مولوی کرایہ کے بغیر بھی آسکتے ہیں یا نہیں۔ لہٰذا وقت مقررہ پر میں منڈی بہاؤالدین پہنچا اور تقریر کی۔ جن لوگوں نے مجھے بلایا تھا ان کا صابن کا کارخانہ تھا۔ وہ صبح اپنی گاڑھی میں مجھے بتی چوک لاہور میں چھوڑ کر گئے اور جاتی بار ایک پیٹی صابن کی اور گیارہ سو روپے میری جیب میں ڈال دیئے۔ یہ سستے زمانے کی بات ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ مولانا عبداللہ صاحب دعوت وتبلیغ کے میدان میں کیسے خلوص اور محبت سے کام کرتے رہے ہیں۔ لالچ طمع، حرص سے کوسوں دور رہ کر انہوں نے دین کی خدمت کی اور ہمیشہ اپنی عزت اور علماء کے وقار وعظمت کو قائم ودائم رکھا ہے۔ اصل میں مولانا عبداللہ صاحب جن لائق اساتذہ کرام اور بزرگان دین کے زیر سایہ رہے ان کی ان کو تربیت وتعلیم یہی تھی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے آپ خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ باباجی بیان کرتے ہیں مولانا امرتسریؒ مجھ پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے اور تبلیغی پروگراموں میں بھی بسا اوقات ساتھ لے جاتے۔ بڑے سخی اور فیاض تھے ہمیشہ میرا خیال رکھتے۔ ایک بار میں ان کے ساتھ شورکوٹ شہر آیا۔ شہر اسٹیشن سے تین چار میل ہٹ کر ہے۔ لوگ شیخ الاسلام کے استقبال کیلئے دور دراز سے آئے تھے ان میں علاقے کے ہندو اور سکھ بھی بڑی تعداد میں تھے۔ جب ہم کینٹ اسٹیشن سے شہر کو جانے لگے تو شہر کے ایک سکھ رئیس نے آگے بڑھ کر مولانا کی خدمت میں حاضری دی اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا یہ موحدوں کا ''درشنی'' مولوی ہے۔ رات کو مولانا امرتسری نے شورکوٹ میں تقریر کی مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی بڑے متاثر ہوئے۔

بلاشبہ بابا بورا پرانے دور کی یادگار ہیں۔ انہوں نے نیک لوگوں کا ساتھ پایا ہے۔ وہ جس دور میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور جس ماحول میں تعلیم حاصل کی اسے ایک سنہری دور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مختلف تحریکیں اور جماعتیں میدان کارزار میں سرگرم عمل تھیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے مناظرے اور مباحثے بھی کرتے تھے دوسری طرف مل کر آزادی کے بھی کام کرتے تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب نے ان حالات کا بغور جائزہ لیا اور پھر ان کا علاقہ بٹالہ بھی قادیانی فتنہ کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں مولانا عبداللہ صاحب نے اسلام کی نشر واشاعت کیلئے اہلحدیث سٹیج سے کام کرنا شروع کیا۔ قادیانی مذہب کے رد میں بھی انہوں نے تقریر وتحریر سے کام کیا اور دیگر مذاہب باطلہ کے خلاف بھی انہوںؒ نے زبان وبیان سے جہاد کیا۔

شروع دن سے آپ مرکزی جمعیت اہلحدیث سے منسلک ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا ابراہیم میرؒ سیالکوٹی، مولانا سید داؤد غزنویؒ، اور مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحومؒ ان پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے اور ان اکابر کے ساتھ مل کر باباجی نے جماعت کی تعمیر وترقی میں رات دن کام کیا۔ باباجی دوستوں کے دوست اور یاروں کے یار ہیں۔ جن حضرات کے ساتھ ان کا ذرا بھی تعلق ہے انہیں یاد رکھتے ہیں۔ اپنے اساتذہ کرام کا ذکر خیر عقیدت سے کرتے ہیں، چھوٹوں پر شفقت فرماتے اور بڑوں کا احترام کرتے ہیں۔ فیصل آباد تشریف لائیں تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ دوستوں کو ضرور ملا جائے گذشتہ سال 2003ء کے اپریل میں فیصل آباد آئے، نماز جمعہ میں نے ان کی اقتداء میں ادا کی، میرے محترم دوست چوہدری علی ارشد صاحب (مدیر بیت الکتب، اقصیٰ ٹاؤن) بھی ہمراہ تھے۔ میں نے باباجی سے عرض کیا کیوں نہ آج آپ کے استاذ زادے حافظ سلیمان صاحب کو ملا جائے کہنے لگے ضرور۔ پھر ہم سمن آباد میں حافظ سلیمان صاحب کے ہاں آئے کچھ دیر وہاں بیٹھے اس کے بعد راقم کے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ اور دعاؤں سے نوازا۔ 10 اپریل 2004ء کی سہ پہر آل پاکستان اہلحدیث کانفرنس سرگودھا سے واپسی پر میرے ہاں رحمانیہ دار الکتب امین پور بازار تشریف لائے مولانا یوسف انور صاحب بھی ہمراہ تھے اس موقع پر علامہ جہانگیر عالم اور علی ارشد صاحب بھی آ گئے اور باباجی سے خوب مجلس رہی۔

غرض باباجی باوفا اور بے لوث انسان ہیں۔ ماشاء اللہ ان کی صحت بہت اچھی ہے کھانا کم کھاتے ہیں، تازہ سبزیاں ان کی مرغوب غذا ہے، چائے کے شوقین ہیں اور پان بھی چباتے ہیں۔ عصر حاضر کے واعظین کی طرح نخرے بالکل نہیں کرتے اپنی مسجد کے خطیب بھی ہیں اور امام بھی۔

1957ء میں باباجی نے مرکزی جامع مسجد اہلحدیث بورے والہ میں ''مدرسہ محمدیہ'' کی بنیاد رکھی۔ بطل حریت حضرت مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا افتتاح فرمایا تھا وہ اس وقت مرکزی جمعیت اہلحدیث کے صدر تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب اس مدرسے میں عرصہ دراز تک طلبہ اور طالبات کو ترجمۃ القرآن اور ناظرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن پڑھاتے رہے۔ شعبہ حفظ کیلئے بھی استاد تھا اس مدرسہ سے حافظ عبدالستار صاحب شیخ الحدیث کوٹ ادو، قاری محمد رمضان صاحب سینئر مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد، اور پروفیسر عبدالرحمٰن لدھیانوی اور حافظ لقمان سلفی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نامور علماء نے تعلیم حاصل کی۔ اب مولانا عبداللہ صاحب کی اولاد سے متعلق چند باتیں پڑھیے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو چھ بیٹیاں اور چار بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ ان کی تمام اولاد پڑھی لکھی نیک اور والدین کی خدمت گزار اور تابعدار ہے۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

۱) ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر، نیوکیسل یونیورسٹی (برطانیہ) میں پروفیسر ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق ہے۔ مرزائیت سے متعلق ان کی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ 1970 کے عشرے میں جامعہ سلفیہ میں لڑکوں کو انگریزی پڑھاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے شعبہ اسلامیات سے منسلک ہو گئے تھے۔ ان کے مضامین و مقالات اکثر جماعتی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ دو بار ان سے فون پر گفتگو ہوئی تھی بڑے محبت بھرے انداز میں انہوں نے راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

۲) حافظ محمد لقمان سلفی مرحوم، جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور مدینہ یونیورسٹی کے فاضل تھے۔ 18,17 سال میاں چنوں کی جامع مسجد میں فریضہ خطابت انجام دیتے رہے۔ بڑے نیک، ملنسار، اور خوش طبع عالم دین تھے۔ 10 جون 2002 کو انہوں نے میاں چنوں میں وفات پائی۔ ان کے تفصیلی حالات پر راقم نے ہفت روزہ اہلحدیث کے 4 اپریل 2003 کے شمارے میں مضمون لکھا تھا۔

۳) ریاض قدیر، یہ حضرت کویت میں قیام پذیر ہیں، اور خدمت دین کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔

۴) زبیر احمد، یہ محترم بورے والہ میں ایک سرکاری سکول میں پڑھاتے ہیں۔

بابائے تبلیغ مولانا عبداللہ گورداسپوری حفظہ اللہ سے متعلق یادوں اور ملاقاتوں کے یہ چند ناقابل فراموش نقوش ہیں جو اس وقت میں نے قارئین کے روبرو پیش کئے ہیں۔ مجھ سے کہیں زیادہ بابا جی سے متعلق واقعات ان لوگوں کے دل و دماغ میں محفوظ ہوں گے جن کو راقم سے زیادہ بابا جی کی محفل میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تاہم میرے دل کا تقاضہ اور روح کی پکار تھی کہ بابا جی سے متعلق یادوں کو کاغذ کے سینے پر ثبت کیا جائے۔ آخر میں جماعت کے عظیم شاعر شیخ محمد سعید الفت مرحوم کے ان اشعار پر جو انہوں نے ''بابا بورا'' کے عنوان سے لکھے تھے، پیش کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں:

بڑا ہس مکھ تے قابل آدمی ایں
بڑا رونقی زندہ دل آدمی ایں
محمد عبداللہ نام نامی پورا
میں ہاسے نال کہناں ہناں بابا بورا
بڑا خوش مزاج اے بڑا خوش کلام ایں
ظرافت دے فن وچ تے اچا مقام ایں
طبع وچ حاضر جوابی بڑی اے
طبیعت وی کوئی جلی نہ سڑی اے
اے مجمے تے حالی وی چھا جاندا اے
روا جان دا اے، ہسا جاندا اے
دعا ہے خدا ہور ہمت ودھاوے
لمی عمر تے تندرستی عطاوے

بقیہ: جادو کی حقیقت اور اسکا علاج

اور صبر واستقامت اختیار کریں۔ چہ جائیکہ ہم خوف زدہ ہو کر گھبرا کر جلد بازی سے کام لیتے ہوئے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ شعبدہ بازوں کی طرف رجوع کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کرتے ہیں اور پھر جو کچھ ان نجومیوں، عاملوں، جادوگروں سے ملے تعویز وغیرہ وہ لا کر ہم لٹکانے یا باندھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

ایسے تعویزوں کے عادی لوگ نفس پرست ہو جاتے ہیں، یعنی ہر چیز سے خوف، جن، پری، شیطانوں کا خوف اللہ تعالیٰ کے خوف پر غالب آ جاتا ہے۔

یعنی ہر بیماری کو تعویزوں کا اثر، جادو والا اور جنات کا اثر سمجھتے ہیں۔ پھر اس کی خاطر ہر وہ کام جو کفر و شرک ہو کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور مال وزر کے ساتھ ساتھ ایمان و یقین اور توحید سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

قل افرأیتم ماتدعون من دون الله ان ارادنی الله بضر هل هن کشفت ضره او ارادنی برحمة الله هل هن ممسک رحمته قل حسبی الله علیه یتوکل المتوکلون (الزمر: ۳۷)

ترجمہ: آپ ﷺ فرما دیں (ان کیلئے) اللہ تعالیٰ کے علاوہ جنکو پوجتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف دینا چاہئے تو کیا جنکو تم پوجتے ہو (وہ تمہارے معبود) اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر کوئی عنایت کرنا چاہے کیا یہ (تمہارے) معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ توکل کرنے والے اسی پر ہی توکل کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com